ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1964

Program: BS Islamic Studies (Spec. Qur'an & Tafsir)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس: منتخب تفاسیر کے مقدمات کا مطالعہ (1964) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ (تخصص قرآن و تفسیر)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ 6 تا 9)

کل نمبر: 100 • کامیابی کا نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

(مطالعہ و حوالہ کے لیے)

USMAN NOTES www.usmannotes.com

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

سوال نمبر 1: مولانا ثناء اللہ کا تعارف اور تفسیر ثنائی کا تعارف و خصوصیات (20 نمبر)

سوال نمبر 1۔ مولانا ثناء اللہ کا تعارف اور ان کی تفسیر ثنائی کا تعارف و خصوصیات تحریر کیجئے۔ (20)

تعارف

برصغیر پاک وہند کی علمی تاریخ میں مولانا ثناء اللہ امر تسری (1868ء تا 1948ء) کا نام ایک ہمہ جہت عالم، مناظر، مصنف اور مفسر کی حیثیت سے نمایاں ہے۔ انہوں نے ایک ایسے دور میں آنکھ کھولی جب برصغیر میں عیسائی مشنری، آریہ سماج، قادیانیت اور مغربی افکار مسلمانوں کے عقائد پر حملہ آور تھے۔ مولانا نے ان تمام محاذوں پر قرآن و سنت کو بنیاد بنا کر امت کا دفاع کیا اور اپنی علمی زندگی کا بڑا حصہ تفسیر، تدریس اور مناظرے میں گزارا۔ ان کی اردو تفسیر "تفسیر ثنائی" اسی دفاعی و تعلیمی جدوجہد کی پیداوار ہے۔ اس جواب میں پہلے مولانا کا تعارف اور پھر تفسیر ثنائی کا تعارف و خصوصیات بیان کی جائیں گی۔

مولانا ثناء اللہ امر تسری کا تعارف

مولانا ثناء اللہ 1868ء میں امر تسر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے شہر میں حاصل کی، پھر کانپور اور دہلی کے علمی مراکز سے فارغ التحصیل ہوئے اور مظاہر علوم سہارنپور میں بھی تعلیم پائی۔ حدیث میں انہیں میاں نذیر حسین دہلوی جیسے محدثین کی روایت سے نسبت حاصل ہوئی اور وہ مسلکاً اہلِ حدیث مکتبِ فکر کے ترجمان بنے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور مناظرہ کو اپنا مشن بنالیا۔ "اہلِ حدیث" نامی ہفت روزہ اخبار امر تسر سے جاری کیا جو عقیدہ و عمل کی اصلاح اور مخالفین کے رد میں اہم کردار ادا کرتا رہا۔ ان کی تصانیف کی تعداد درجنوں میں ہے جن میں تفسیر ثنائی کے علاوہ قرآن و سنت کی روشنی میں لکھی گئی رد و مناظرے کی مشہور کتب بھی شامل ہیں۔

مولانا ثناء اللہ کی شخصیت کا سب سے نمایاں پہلو ان کا مناظرانہ کردار ہے۔ انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے پیروکاروں سے تاریخی مناظرے کیے اور مباہلے کے واقعات ان کی سوانح کا مشہور باب ہیں۔ اسی طرح عیسائی پادریوں اور آریہ سماج کے پرچارکوں سے بھی ان کے مناظرے ہوئے۔ ان کی دلیری، حاضر جوابی اور قرآن سے استدلال کی قدرت مخالفین کو بھی ماننی پڑتی تھی۔ برصغیر کے اہلِ علم نے انہیں "فاتح قادیان" اور "شیر پنجاب" جیسے القابات سے یاد کیا۔ 1948ء میں ان کا انتقال ہوا اور وہ اپنے پیچھے علمی و دعوتی ورثے کا ایک بڑا سرمایہ چھوڑ گئے۔

تفسیر ثنائی کا تعارف

تفسیر ثنائی مولانا ثناء اللہ کی اردو تفسیر ہے جو آٹھ جلدوں میں شائع ہوئی۔ یہ تفسیر ان کے دروس اور مجالسِ قرآن کا ثمرہ ہے اور اس میں انہوں نے عام تعلیم یافتہ اردو خواں مسلمان کو مخاطب بنایا ہے۔ اس کا اسلوب یہ ہے کہ پہلے آیت کا سادہ اور رواں اردو ترجمہ دیا جاتا ہے، پھر مشکل الفاظ کی تشریح، پھر آیت کا مفہوم اور مناسبت بیان ہوتی ہے، اور جہاں ضرورت ہو وہاں عقائد و احکام کے مسائل اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات بھی آ جاتے ہیں۔ مولانا نے اس تفسیر میں اپنی زندگی بھر کے مطالعے اور مناظرانہ تجربے کو سمو دیا ہے، اسی لیے اس میں تعلیمی سادگی کے ساتھ ساتھ دفاعی جوش بھی نمایاں نظر آتا ہے۔

تفسیر ثنائی کی خصوصیات

تفسیر ثنائی کی پہلی خصوصیت اس کا توحید و سنت پر زوردار اصرار اور شرک و بدعت کا رد ہے۔ مولانا ہر مناسب موقع پر عقیدۂ توحید کی وضاحت کرتے ہیں اور رسم و رواج میں پھیلی ہوئی بدعات پر تنقید کرتے ہیں۔ دوسری خصوصیت ردِ قادیانیت و عیسائیت ہے؛ ختمِ نبوت کے مسئلے پر انہوں نے مفصل دلائل دیے ہیں اور بائبل کے بیانات سے قرآنی موقف کی برتری ثابت کی ہے۔ تیسری خصوصیت عام فہم اردو ہے۔ مولانا مشکل علمی مسائل کو بھی روزمرہ مثالوں سے سمجھاتے ہیں جس سے یہ تفسیر عوامی دروس کے لیے نہایت موزوں ہو گئی۔

- عقیدے کی اصلاح: توحید کی وضاحت اور شرک و بدعت کا مدلل رد۔
- دفاعِ ختمِ نبوت: قادیانی دعووں کا قرآن و حدیث سے جواب۔
- سادہ و سلیس اردو: ترجمہ و تفسیر عام قاری کی سمجھ کے مطابق۔
- مناظرانہ دلائل: مخالفین کے اعتراضات نقل کر کے ان کے دندان شکن جوابات۔
- فقہی اعتدال و اختلاف کی گنجائش: جہاں اختلاف ہو وہاں دلائل کے ساتھ اپنا موقف پیش کرنا۔

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ — AIOU منتخب تفاسیر کے مقدمات کا مطالعہ (1964) — مشق نمبر 2 — صفحہ 4

- عصری مسائل سے ربط: اپنے دور کے ذہنی سوالات کا جواب آیات کی روشنی میں تلاش کرنا۔

ان خصوصیات کے ساتھ ساتھ تفسیر ثنائی پر یہ تنقید بھی کی جاتی ہے کہ بعض مقامات پر مناظرانہ رنگ اتنا غالب آ جاتا ہے کہ تفسیر کی علمی یکسوئی متاثر ہوتی ہے، اور بعض فقہی مسائل میں مولانا کا زاویہ نظر اپنے مکتبِ فکر تک محدود نظر آتا ہے۔ تاہم مجموعی حیثیت سے یہ تفسیر اردو تفسیری ادب کا ایک اہم باب ہے جس نے عام مسلمان کو قرآن سے جوڑنے، اس کے عقیدے کی حفاظت کرنے اور اس کے ذہنی شکوک دور کرنے میں قابلِ قدر کردار ادا کیا۔ یہ تفسیر اس بات کی دلیل ہے کہ مفسر اگر اپنے عہد کے چیلنجوں سے آگاہ ہو تو تفسیر محض قدیم علم کی منتقلی نہیں رہتی بلکہ زندہ رہنمائی بن جاتی ہے

مولانا ثناء اللہ کی خدمات کا ایک اور پہلو ان کی کثیر التصانیف ہونا بھی ہے۔ انہوں نے تفسیر کے علاوہ عقائد، سیرت، فقہ اور ردِ مذاہب پر بھی لکھا اور ان کی ہر تحریر میں دلائل کی ترتیب اور مخالف کے اعتراض کا پہلے پورا ذکر پھر اس کا جواب دینے کا مناظرانہ اصول نمایاں ہے۔ انہوں نے عام مسلمان کی ذہنی تربیت کے لیے سادہ زبان میں رسالے بھی لکھے، کیونکہ ان کے نزدیک علم کا اصل فائدہ اس وقت ہے جب وہ عوام تک پہنچے۔ اسی عوامی ربط نے انہیں اپنے دور کا مقبول ترین دینی رہنما بنا دیا تھا اور ان کے دروس و مواعظ میں دور دور سے لوگ شریک ہوتے تھے۔ ان کی زندگی اس اصول کی عملی مثال ہے کہ عالم کی اصل طاقت اس کا علم بھی ہے اور اس کی جرات و استقامت بھی، اور یہ دونوں وصف مل جائیں تو ایک فرد پورے عہد کی فکری سمت متعین کر دیتا ہے۔

حاصلِ کلام

خلاصہ یہ کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری برصغیر کے وہ جری عالم تھے جنہوں نے قلم، زبان اور مناظرے تینوں محاذوں پر قرآن و سنت کا دفاع کیا۔ ان کی تفسیر ثنائی اسی جدوجہد کا علمی اظہار ہے جس کی خصوصیات توحید و سنت کی دعوت، ردِ قادیانیت و باطل مذاہب، سادہ اردو اور مناظرانہ دلائل ہیں۔ طالب علم کے لیے اس تفسیر کا مطالعہ دو فائدے رکھتا ہے: ایک طرف اسے قرآن کا سادہ اور عملی فہم حاصل ہوتا ہے اور دوسری طرف اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر کے خاص تاریخی حالات میں تفسیر نے کس طرح امت کے عقائد کی پہرے داری کی۔ اسی اعتبار سے تفسیر ثنائی محض ایک تفسیر نہیں بلکہ ایک دعوتی و دفاعی دستاویز بھی ہے۔

سوال نمبر2: علماء کی ذمہ داریاں و کردار اور آدابِ تلاوت پر جامع نوٹ (20نمبر)

سوال نمبر2۔ تفسیر قرآن کے ضمن میں علماء کی ذمہ داریوں و کردار پر بحث کرتے ہوئے آداب تلاوت کے متعلق جامع نوٹ تحریر کیجئے۔(20)

تعارف

قرآن مجید کا فہم و تفسیر امت کا اجتماعی فریضہ ہے مگر اس کی اصل ذمہ داری علماء پر عائد ہوتی ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کو انبیاء کا وارث قرار دیا ہے۔ تفسیر ایک نازک اور ذمہ داری والا کام ہے؛ ایک طرف اس میں کوتاہی سے امت ہدایت سے محروم رہتی ہے اور دوسری طرف اس میں بے احتیاطی سے گمراہی کے دروازے کھلتے ہیں۔ اسی لیے سلف نے مفسر کے لیے سخت شرائط مقرر کیں اور علماء کی ذمہ داریوں کو بڑی وضاحت سے بیان کیا۔ دوسری جانب قرآن کی تلاوت کا تعلق ہر مسلمان سے ہے اور اس کے آداب کی رعایت تلاوت کو عبادت اور دل کی زندگی کا ذریعہ بناتی ہے۔ اس جواب میں دونوں پہلو تفصیل سے بیان کیے جائیں گے۔

تفسیر قرآن کے ضمن میں علماء کی ذمہ داریاں و کردار

علماء کی پہلی ذمہ داری صحیح فہم کی اہلیت حاصل کرنا ہے۔ تفسیر سے پہلے مفسر کے لیے عربی زبان و ادب، صرف و نحو، بلاغت، اصولِ فقہ، اصولِ تفسیر، اسبابِ نزول، ناسخ و منسوخ اور حدیث و سیرت کا علم لازمی ہے۔ بغیر ان آلات کے تفسیر کرنا ان احادیث کے تحت آتا ہے جن میں بغیر علم کے قرآن کہنے والے کو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ دوسری ذمہ داری امانت ہے: مفسر سلف کی آراء کو بعینہٖ نقل کرے، اپنی رائے کو منقول سے الگ رکھے اور جس بات کا علم نہ ہو وہاں "لا ادری" کہنے سے نہ شرمائے۔ تیسری ذمہ داری دور کے مسائل سے آگاہی ہے؛ مفسر کو اپنے عہد کے ذہنی سوالات، فتنوں اور سماجی ضروریات کو سمجھ کر قرآن سے رہنمائی فراہم کرنی چاہیے، وگرنہ تفسیر کتابوں تک محدود ہو کر رہ جائے گی۔

علماء کا عملی کردار اس سے آگے بھی پھیلا ہوا ہے۔ وہ قرآن کی تعلیم کو عام کریں، بچوں بڑوں کے لیے دروس قائم کریں، طلبہ کی تربیت کریں اور خود اپنے عمل سے قرآن کی تصویر پیش کریں، کیونکہ عوام عالم کے عمل کو اس کے علم سے زیادہ وزن دیتے ہیں۔ اختلافات میں اعتدال اور امت کی وحدت کا خیال بھی ان کی ذمہ داری ہے؛ فروعی اختلافات کو بنیاد بنا کر تفریق پھیلانا تفسیر کے مقصد کے خلاف ہے۔ اسی طرح جدید وسائل، تراجم اور میڈیا کے ذریعے قرآن کا پیغام نئی نسل تک پہنچانا آج کے علماء کی اضافی ذمہ داری بن چکی ہے۔ ماضی میں قرطبی، ابن کثیر اور ابن عاشور جیسے مفسرین نے اپنے اپنے عہد میں یہی کردار ادا کیا: انہوں نے علم بھی محفوظ کیا، فتنوں کا جواب بھی دیا اور امت کی رہنمائی بھی کی۔

- علمی اہلیت: تفسیر کے لیے ضروری علوم میں مہارت حاصل کرنا۔
- امانت و دیانت: نقل و اجتہاد میں فرق رکھنا اور نامعلوم بات میں توقف کرنا۔
- عصری آگاہی: دور کے سوالات و فتنوں کا قرآنی حل پیش کرنا۔
- تعلیم و تربیت: دروسِ قرآن عام کرنا اور طلبہ کی علمی و اخلاقی تربیت کرنا۔
- عملی نمونہ: اپنے کردار کو قرآنی تعلیمات کا آئینہ بنانا۔
- اعتدال و وحدت: اختلافی مسائل میں احترام و توازن اور امت کی یکجہتی کا خیال رکھنا۔

آدابِ تلاوت پر جامع نوٹ

آدابِ تلاوت کو علماء نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: ظاہری آداب اور باطنی آداب۔ ظاہری آداب میں سب سے پہلے طہارت ہے؛ تلاوت باوضو ہو کر، پاک صاف جگہ پر اور قبلہ رخ بیٹھ کر کی جائے۔ مسواک کرنا، خوشبو لگانا اور صاف لباس پہننا بھی مستحب آداب میں شامل ہے۔ تلاوت کا آغاز اعوذ باللہ اور بسم اللہ سے ہو، آواز نہ اتنی بلند ہو کہ دوسروں کو تکلیف ہو اور نہ اتنی پست کہ خود بھی نہ سنے۔ قرآن کو ترتیل یعنی ٹھہر ٹھہر کر اور تجوید کے قواعد کی رعایت کے ساتھ پڑھا جائے، کیونکہ جلد بازی مفاہیم سے غفلت

پیدا کرتی ہے۔ تلاوت کے دوران ادھر ادھر دیکھنا، بے جا باتیں کرنا اور ہنسنا ادب کے خلاف ہے۔ سجدہ تلاوت کی آیات پر سجدہ کرنا اور دعاؤں کی آیات پر دعا اور عذاب کی آیات پر پناہ مانگنا بھی مسنون آداب میں داخل ہے۔

باطنی آداب کا تعلق دل سے ہے۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ قاری کو تلاوت کے وقت یہ تصور ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن رہا ہے اور خود اس سے مخاطب ہے۔ آیاتِ وعد پر امید و شوق، آیاتِ وعید پر خوف و خشیت، احکام پر اطاعت کی نیت اور قصص پر عبرت حاصل کرنا باطنی ادب ہے۔ حضورِ قلب اور تدبر اصل روح ہے؛ حدیث میں فرمایا گیا کہ بہت سے قرآن پڑھنے والوں کو قرآن لعنت کرتا ہے، یعنی وہ پڑھتے ہیں مگر اس کی حدود کی پروا نہیں کرتے۔ تلاوت کی مقدار میں بھی اعتدال مطلوب ہے؛ قرآن کو تین دن سے کم میں ختم کرنے سے منع کیا گیا ہے تاکہ فہم و تدبر باقی رہے، اور باقاعدہ ورد بنا کر اسے کبھی نہ چھوڑنا اصل کمال ہے۔ تلاوت کے آخر میں صدق اللہ العظیم کہہ کر دعا کرنا اور زندگی میں اس پڑھے ہوئے پر عمل کی نیت کرنا آداب کا تکملہ ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ آدابِ تلاوت صرف بزرگوں اور حفاظ کے لیے مخصوص نہیں بلکہ ہر وہ مسلمان کے لیے ہیں جو قرآن اٹھاتا ہے، خواہ وہ ایک صفحہ ہی کیوں نہ پڑھے۔ بچوں کو ابتدا ہی سے یہ آداب سکھا دیے جائیں تو قرآن سے ان کا تعلق زندگی بھر ادب و محبت پر قائم رہتا ہے۔ اس کے برعکس جس گھر میں قرآن کی بے ادبی عام ہو وہاں برکت اٹھ جاتی ہے۔ اسی لیے علماء نے گھروں میں روزانہ مختصر مگر باقاعدہ تلاوت کی تلقین کی ہے، کیونکہ باقاعدگی مقدار سے زیادہ اہم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ کو سب سے محبوب عمل وہ ہے جو دائمی ہو اگرچہ تھوڑا ہو۔ پس طالب علم کو چاہیے کہ روزانہ کم از کم ایک مقررہ مقدار کی تلاوت آداب کے ساتھ معمول بنا لے، اور علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ مجالس اور دروس میں ان آداب کی عملی تربیت بھی کریں، کیونکہ ادب کے بغیر علم ثمر آور نہیں ہوتا۔

حاصلِ کلام

خلاصہ یہ کہ تفسیر کے میدان میں علماء امت کے رہنما اور قرآن کے امین ہیں؛ ان کی ذمہ داریاں علمی اہلیت، امانت، عصری آگاہی، تعلیم و تربیت، عملی نمونہ اور اعتدال پر مشتمل ہیں۔ جو عالم ان ذمہ داریوں کو پورا کرے وہی اس نبوی وراثت کا حق ادا کرتا ہے۔ دوسری طرف آدابِ تلاوت ہر قاری کے لیے وہ تربیت ہے جو تلاوت کو رسم سے

عبادت اور عبادت سے روحانی زندگی میں بدل دیتی ہے۔ طالب علم کو چاہیے کہ وہ علماء کی ذمہ داریوں کو سمجھ کر آیندہ زندگی میں ان کا اہل بننے کی کوشش کرے اور آدابِ تلاوت کو اپنی روزانہ تلاوت کا حصہ بنا کر قرآن سے حقیقی فیض حاصل کرے۔

سوال نمبر 3: نظمِ قرآن کا مفہوم اور قرآن کے مجموعی نظام کے ظاہری و مخفی پہلو (20 نمبر)

سوال نمبر 3۔ نظم قرآن سے کیا مراد ہے؟ نیز قرآن کے مجموعی نظام کے ظاہری و مخفی پہلوؤں کی وضاحت کیجئے۔ (20)

تعارف

"نظمِ قرآن" علومِ قرآن کی وہ اہم شاخ ہے جس میں قرآن مجید کی آیات و سورتوں کے باہمی ربط، ترتیب اور موضوعاتی ہم آہنگی کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ بحث اس سوال سے پیدا ہوئی کہ قرآن تیئیس سال کے عرصے میں مختلف مواقع پر نازل ہوا اور اس کی سورتوں و آیتوں کی ترتیب نزول کے مطابق نہیں، تو کیا اس ترتیب کے پیچھے کوئی حکیمانہ نظام موجود ہے یا آیات کا مجموعہ محض موضوعات کا ایک ذخیرہ ہے؟ مفسرین کی ایک بڑی جماعت، خصوصاً امام رازی، علامہ بقاعی، مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی نے اس بات کو تحقیق سے ثابت کیا کہ قرآن ایک مربوط اور منظم کتاب ہے جس کی ہر آیت اپنے محل میں اور ہر سورت اپنے مقام پر ایک بڑے نظام کا حصہ ہے۔

نظمِ قرآن سے کیا مراد ہے؟

نظم کے لغوی معنی موتیوں کو دھاگے میں پرونا ہے؛ اصطلاح میں نظمِ قرآن سے مراد آیات و سورتوں کا وہ بامعنی ربط و تنظیم ہے جس کی وجہ سے پوری کتاب ایک وحدت بن جاتی ہے۔ فراہی کی تعبیر میں ہر سورت کا ایک مرکزی مضمون ہوتا ہے جسے وہ "عمود" کہتے ہیں؛ سورت کی تمام آیات اسی عمود کے گرد گھومتی ہیں اور تمہید، دلیل، مثال اور نتیجہ کے مراحل سے گزر کر سورت اپنے مقصد کو مکمل کرتی ہے۔ اسی طرح سورتیں آپس میں جڑی ہوئی ہیں؛ فراہی و اصلاحی کے مطابق سات بڑے گروہوں میں سورتیں

جوڑوں کی صورت میں منظم ہیں اور ہر گروہ کی مکی و مدنی سورتوں میں بھی ایک مناسبت پائی جاتی ہے۔ اس نظریے کی بنیاد یہ ہے کہ قرآن کی موجودہ ترتیب توقیفی ہے یعنی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی رہنمائی میں یہ ترتیب مقرر فرمائی، لہٰذا اس میں حکمت تلاش کرنا تفسیر کا فریضہ ہے۔

نظمِ قرآن کی بحث کے کئی ثمرات ہیں۔ اس سے آیات کے مفاہیم دقیق تر ہو جاتے ہیں، کیونکہ آیت کا صحیح مفہوم اس کے سیاق و سباق اور اس کی جگہ سے متعین ہوتا ہے۔ اس سے متشابہ مقامات بھی حل ہوتے ہیں، تکرار کی حکمت واضح ہوتی ہے اور بعض دفعہ کسی حکم کی علت یا کسی واقعے کے ذکر کا مقصد کھل جاتا ہے۔ اصلاحی نے اپنی تفسیر ”تدبر قرآن“ میں اس نظم کو بنیاد بنا کر پوری تفسیر لکھی اور ہر سورت کا عمود، اس کے اجزاء کی مناسبت بیان کی ہے۔ تاہم اس بحث میں اعتدال ضروری ہے؛ ہر آیت کے لیے زبردستی کا ربط تلاش کرنا خود ایک غلطی ہے جس سے بعض قدیم مفسرین بھی نکل نہ سکے۔ ربط جہاں واضح ہو وہاں بیان کرنا اور جہاں مخفی ہو وہاں تکلف سے بچنا ہی محققانہ رویہ ہے۔

قرآن کے مجموعی نظام کے ظاہری پہلو

قرآن کے مجموعی نظام کے ظاہری پہلو وہ ہیں جو کتاب کی شکل و صورت اور اس کی نمایاں ترتیب میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلے سورتوں کی تقسیم اور ان کے نام ہیں؛ ہر سورت ایک اکائی کی حیثیت رکھتی ہے جس کا آغاز بسم اللہ سے اور ایک خاص اسلوب سے ہوتا ہے۔ آیات کی تقسیم اور ان کے فواصل قرآن کا دوسرا ظاہری حسن ہے؛ آیت کے اختتامی الفاظ میں جو صوتی ہم آہنگی ہے وہ تلاوت میں موسیقیت اور حفظ میں آسانی پیدا کرتی ہے۔ سورتوں کی ترتیب میں بھی ایک نمایاں ظاہری نظام نظر آتا ہے: آغاز میں طویل مدنی سورتیں ہیں جن میں شریعت و معاشرت کے احکام ہیں، درمیان میں قصص و توحید کی مکی سورتیں ہیں اور آخر میں چھوٹی چھوٹی سورتیں ہیں جو دعا و مناجات کی کیفیت رکھتی ہیں، یہاں تک کہ کتاب کا اختتام معوذتین پر ہوتا ہے۔ رکوعات کی تقسیم، پاروں (اجزاء) کی تقسیم اور منازل کی ترتیب بھی ظاہری نظام کا حصہ ہے جو تلاوت و ختمِ قرآن کی سہولت کے لیے امت نے اختیار کی۔

ظاہری نظام کا ایک اور پہلو اسلوبی ہے۔ قرآن کے بیان میں ایجاز و اطناب کا توازن، سوال و جواب کا ڈھنگ، قسموں کا استعمال، مثالوں اور مکالموں کی ترتیب، یہ سب ایک ایسا اسلوبی نظام بناتے ہیں جو قاری کو بتدریج اپنے اندر جذب کرتا ہے۔ مکی و مدنی اسلوب کا فرق بھی ظاہری نظام میں نمایاں ہے: مکی سورتوں میں چھوٹی آیات، پرجوش خطاب اور توحید و آخرت کی تکرار ہے جبکہ مدنی سورتوں میں طویل آیات، احکام کی تفصیل اور معاشرے کی تنظیم ہے۔ یہ فرق مقامی تقاضوں کے مطابق ہے اور اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ نظام قرآن ماحول و مخاطب کو کس طرح ملحوظ رکھتا ہے۔

قرآن کے مجموعی نظام کے مخفی پہلو

مخفی پہلو وہ اندرونی ربط و حکمت ہے جو پہلی نظر میں نظر نہیں آتا بلکہ تدبر سے آشکار ہوتا ہے۔ اس کی بہت سی صورتیں معنوی مناسبت ہے: ایک آیت دوسری آیت کی دلیل، تفسیر یا تکمیل ہوتی ہے؛ مثلاً ایک جگہ اجمال ہے تو دوسری جگہ تفصیل، ایک جگہ حکم ہے تو دوسری جگہ اس کی حکمت۔ دوسری صورت سورتوں کے درمیان جوڑ (pairing) کا نظام ہے جس میں دو سورتیں ایک دوسری کی تکمیل کرتی ہیں؛ جیسے البقرہ اور آل عمران، الانعام اور الاعراف، اور آخری گروہ کی چھوٹی سورتیں۔ تیسری صورت قرآنی قصوں کی مرحلہ وار تکمیل ہے کہ ایک قصے کے مختلف پہلو مختلف سورتوں میں اس طرح بکھرے ہوتے ہیں کہ وہ سب مل کر ایک مکمل تصویر اور ایک مشترک سبق بن جاتے ہیں۔

مخفی نظام کا سب سے گہرا پہلو مقاصدی وحدت ہے۔ پورا قرآن عقیدہ، عبادت، اخلاق، قانون اور تاریخ کو ایک ہی محور یعنی توحید اور اللہ کی بندگی کے گرد منظم کرتا ہے۔ سورتوں کے آغاز و اختتام میں پوشیدہ مناسبت، ایک سورت کے آخری مضمون کا اگلی سورت کے آغاز سے جڑ جانا، اور دعاؤں و احکام کی باہمی تکمیل، یہ سب اسی مخفی نظام کے مظاہر ہیں۔ اس نظام کو پہچاننا اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر قرآن کو منتشر اقوال کا مجموعہ سمجھنے کی غلطی پیدا ہوتی ہے، جبکہ تدبر یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ کتاب تدریجی نزول کے باوجود ایک ہم آہنگ کلی نظام رکھتی ہے۔ یہی ہم آہنگی اس کے الٰہی ہونے کی ایک بڑی داخلی دلیل بھی ہے، کیونکہ انسانی تصانیف میں اتنے طویل عرصے میں نازل شدہ اجزاء کا اس درجہ منظم ہونا ناممکن کے قریب ہوتا ہے۔

حاصلِ کلام

خلاصہ یہ کہ نظمِ قرآن سے مراد آیات و سورتوں کا وہ حکیمانہ ربط و تنظیم ہے جس میں ہر سورت کا مرکزی عمود، آیات کی باہمی مناسبت اور سورتوں کے گروہی و جوڑی نظام شامل ہے۔ قرآن کے مجموعی نظام کے ظاہری پہلو سورتوں و آیات کی تقسیم، ترتیب، فواصل اور اسلوب میں نمایاں ہیں، جبکہ مخفی پہلو معنوی مناسبت، جوڑی تکمیل، قصص کی مرحلہ وار تصویر اور مقاصدی وحدت میں پوشیدہ ہیں جو تدبر سے کھلتے ہیں۔ یہ علم اگر نظم کی اس بحث کو سمجھ لے تو اس کی تفسیر کا مطالعہ آیات کے انفرادی فہم سے بڑھ کر کتاب کی مجموعی روح تک پہنچ جاتا ہے، اور یہی تدبرِ قرآن کا وہ درجہ ہے جس کی دعوت خود قرآن نے بار بار دی ہے۔

سوال نمبر 4: علامہ ابن عاشور کا تعارف و حالاتِ زندگی اور تفسیر "التحریر والتنویر" کا تعارف (20 نمبر)

سوال نمبر 4۔ علامہ ابن عاشور کا تعارف و حالات زندگی بیان کرتے ہوئے ان کی تفسیر "التحریر والتنویر" کا تعارف تحریر کیجئے۔ (20)

تعارف

علامہ محمد طاہر ابن عاشور بیسویں صدی کے ان چند علماء میں سے ہیں جنہوں نے قدیم و جدید علوم کو یکجا کر کے قرآن کی خدمت کی۔ وہ تیونس کے علمی و اشرافی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جامع زیتونہ کے استاد و شیخ الجامعہ رہے، تیونس کے مفتی و قاضی کے مناصب پر فائز رہے اور مقاصدِ شریعت پر ان کی کتاب "مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ" اس فن کی بنیادی تصانیف میں شمار ہوتی ہے۔ مگر ان کی سب سے بڑی یادگار ان کی تفسیر "التحریر والتنویر" ہے جس پر انہوں نے عمر کا بڑا حصہ صرف کیا۔ اس جواب میں پہلے ان کے حالاتِ زندگی اور پھر ان کی تفسیر کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن عاشور کا تعارف و حالاتِ زندگی

محمد طاہر ابن عاشور 1879ء میں تیونس کے قریب المرسیٰ کے مقام پر ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کے خاندان کا اصل وطن اندلس تھا جو اندلس کے زوال کے بعد مراکش اور پھر تیونس آ بسا تھا۔ دادا اور والد دونوں علماء میں سے تھے، اس لیے گھر کا ماحول ہی ان کی پہلی درس گاہ بنا۔ انہوں نے جامع زیتونہ میں داخلہ لیا جو اس وقت تیونس کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا؛ وہاں قرآن حفظ کیا، عربی ادب، فقہ مالکی، اصول، منطق اور بلاغت میں مہارت حاصل کی اور نوجوانی ہی میں اپنے اساتذہ میں ممتاز ہو گئے۔ انہوں نے فرانسیسی زبان بھی سیکھی جس سے انہیں جدید مغربی فکر کے براہِ راست مطالعے کا موقع ملا، یہ وصف اس دور کے روایتی علماء میں کم یاب تھا اور یہی ان کی تحریروں کی وسعت و گہرائی کا ایک سبب بنا۔

عملی زندگی میں ابن عاشور تیزی سے ترقی کرتے گئے۔ وہ جامع زیتونہ کے مدرس، پھر ناظم اور بعد ازاں شیخ الجامعہ مقرر ہوئے۔ انہوں نے زیتونہ کے نصاب و نظام میں اصلاحات کیں، جدید مضامین کو شامل کیا اور طلبہ کی تحقیق و تنقید کی صلاحیت پیدا کرنے پر زور دیا۔ وہ تیونس کے قاضی القضاۃ اور مفتی مالکیہ کے عہدوں پر رہے اور 1932ء میں انہیں "شیخ الاسلام" کے منصب سے نوازا گیا۔ استعماری دور کے دباؤ کے باوجود انہوں نے دینی تشخص اور علمی آزادی پر سمجھوتا نہیں کیا؛ انہیں بعض اوقات حکومتی ناراضگی کا سامنا بھی کرنا پڑا مگر وہ اپنے موقف پر قائم رہے۔ ان کی تصانیف میں مقاصد شریعت کی مشہور کتاب کے علاوہ بلاغت، ادب اور اصول پر متعدد کتب شامل ہیں۔ 1973ء میں تقریباً چورانوے برس کی عمر میں ان کا انتقال ہوا اور تیونس نے ایک صدی کے اپنے سب سے بڑے عالم کو رخصت کیا۔

تفسیر "التحریر والتنویر" کا تعارف

"التحریر والتنویر من التفسیر" ابن عاشور کی وہ شاہکار تفسیر ہے جو تیس جلدوں میں شائع ہوئی اور جس کی تالیف میں انہیں تقریباً چالیس سال لگے۔ خود ان کے بیان کے مطابق یہ ان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو تھی جو اللہ نے پوری کی۔ تفسیر کا پورا نام ہی اس کے منہج کی طرف اشارہ کرتا ہے: "التحریر" یعنی معانی کی دقیق تحقیق و تدوین اور "التنویر"

یعنی ذہنوں کو روشن کرنا۔ انہوں نے اس تفسیر میں سابقہ مفسرین خصوصاً زمخشری، رازی، بیضاوی، ابو حیان اور قرطبی سے بھرپور استفادہ کیا مگر کہیں بھی اندھی تقلید نہیں کی؛ ہر مسئلے میں وہ دلائل کا جائزہ لے کر اپنی تحقیقی رائے پیش کرتے ہیں۔

اس تفسیر کی نمایاں خصوصیات میں سب سے پہلی بلاغت و نظمِ قرآن ہے۔ ابن عاشور ہر سورت کے آغاز میں اس کے اغراض و مقاصد، آیات کی تعداد اور اس کی بلاغی خصوصیات بیان کرتے ہیں اور تفسیر کے دوران الفاظ کے انتخاب، جملوں کی ترکیب اور اسلوب کی باریکیوں کو کھولتے ہیں۔ دوسری خصوصیت مقاصدِ شریعت کی روشنی میں احکام کی تفسیر ہے؛ وہ حکم کے ساتھ اس کی حکمت و مقصد بھی بیان کرتے ہیں۔ تیسری خصوصیت لغوی تحقیق ہے؛ وہ قرآنی الفاظ کے اصل معانی عربی ادب و شعر سے ثابت کرتے ہیں۔ چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ قصص و تاریخی مقامات پر وہ اہلِ کتاب کی روایات اور جدید تحقیقات کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں اور غیر مصدقہ باتوں کو قرآن کے بیان سے الگ رکھتے ہیں۔ پانچویں خصوصیت عصری ذہن سے مخاطبت ہے؛ وہ مذہب و سائنس اور شریعت و جدید قانون جیسے معاصر مسائل پر بھی موقع بموقع علمی گفتگو کرتے ہیں۔

- بلاغت و نظم: سورت کے اغراض اور اسلوبی باریکیوں کی وضاحت تفسیر کا امتیاز ہے۔
- مقاصدی نظر: احکام کی تفسیر مقاصدِ شریعت کی روشنی میں۔
- لغوی و ادبی تحقیق: الفاظ کے معانی کی ادبی شواہد سے تائید۔
- تحقیقی و تنقیدی منہج: سلف کی آراء کا جائزہ لے کر راجح کی تعیین۔
- دس مقدمات: تفسیر سے پہلے اصولِ تفسیر کا جامع نظام۔
- قراءات و اسبابِ نزول کا محتاط استعمال اور غیر مصدقہ روایات سے اجتناب۔

التحریر والتنویر کو اہلِ علم نے جدید دور کی اہم ترین تفاسیر میں شمار کیا ہے۔ اسے تیونس، مصر اور بعد ازاں عالمِ اسلام کے بڑے اشاعتی اداروں نے شائع کیا اور جامعات میں یہ تفسیر اعلیٰ مطالعے کے نصاب کا حصہ بنی۔ اس کی عظمت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اس پر متعدد تحقیقی مقالات و مقالہ جات لکھے گئے اور مقاصد و بلاغت کے میدان میں اس کے

بعد آنے والے مفسرین اس کے اثرات سے بچ نہ سکے۔ البتہ بعض مقامات پر اس کی بلاغی موشگافیاں عام قاری کی دسترس سے باہر ہو جاتی ہیں، اس لیے یہ تفسیر بنیادی طور پر اہلِ علم و طلبہ کے لیے ہے، عوامی مطالعے کے لیے اس کے خلاصے زیادہ مفید ہیں۔

حاصلِ کلام

خلاصہ یہ کہ علامہ محمد طاہر ابن عاشور تیونس کے علمی خاندان کے فرزند، جامع زیتونہ کے شیخ، مفتی و قاضی اور مقاصدِ شریعت کے امام تھے جنہوں نے استعماری دور میں دینی علم کی قیادت کا حق ادا کیا۔ ان کی تفسیر التحریر والتنویر چالیس سالہ محنت کا ثمرہ ہے جس میں بلاغت، نظم، مقاصد، لغت اور تحقیق کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ یہ تفسیر اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن کی خدمت ہر دور میں اسی وقت زندہ رہتی ہے جب مفسر اپنے عہد کے علوم سے آراستہ ہو کر سلف کی روایت کو نئی آب و تاب کے ساتھ آگے بڑھائے۔ طالب علم کے لیے ابن عاشور کی سوانح اور ان کی تفسیر دونوں میں یہ سبق ہے کہ وسعتِ مطالعہ، تحقیقی جرات اور مقاصدی بصیرت ہی بڑی علمی خدمت کی بنیاد ہیں۔

سوال نمبر 5: اعجاز القرآن پر جامع نوٹ اور قرآن مجید سے ماخوذ علوم (20 نمبر)

سوال نمبر 5۔ اعجاز القرآن پر جامع نوٹ لکھتے ہوئے وضاحت کیجئے کہ قرآن مجید سے کون سے علوم ماخذ ہیں؟ (20)

تعارف

اعجازِ قرآن علومِ قرآن کے ان بنیادی مباحث میں سے ہے جن پر قرآن کی الٰہی حیثیت کا ثبوت قائم ہے۔ "اعجاز" کے معنی عاجز کر دینے کے ہیں؛ مراد یہ ہے کہ قرآن مجید اپنی فصاحت و بلاغت، نظم و اسلوب، تشریعی کمال، غیب کی خبروں اور علمی اشارات کے اعتبار سے ایسی معجز کتاب ہے کہ تمام انسان و جن مل کر بھی اس جیسی ایک سورت نہیں لا سکتے، اور یہ چیلنج چودہ سو سال سے قائم ہے۔ اس سوال کے دوسرے حصے میں یہ بیان مطلوب ہے کہ قرآن مجید سے کون کون سے علوم ماخوذ ہیں، یعنی اسلامی علوم کی وہ شاخیں جن کی بنیاد اور اصل ماخذ قرآن ہے۔ ذیل میں دونوں مباحث جامع انداز میں پیش کیے جاتے ہیں۔

اعجاز القرآن پر جامع نوٹ

اعجاز کی بحث کا نقطہ آغاز قرآن کا اپنا چیلنج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے پوری کتاب جیسی کتاب لانے کا، پھر دس سورتوں کا اور بالآخر ایک سورت کا چیلنج دیا اور ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ اگر تمام انسان اور جن اس کام کے لیے جمع ہو جائیں تب بھی وہ اس جیسا نہیں لا سکتے۔ یہ چیلنج اس قوم کو دیا گیا تھا جو فصاحت و بلاغت کو اپنی سب سے بڑی دولت سمجھتی تھی اور جس کے شعراء کے قصائد کعبے پر لٹکائے جاتے تھے۔ ان کا عاجز رہ جانا اور ہلوار اڑ [illegible] بات کی تاریخی گواہی ہے کہ کلامی مقابلے میں شکست انہیں قبول تھی مگر معارضہ ان سے نہ ہو سکا۔ علماء نے اس اعجاز کی وجہ "نظمِ قرآن" کو قرار دیا ہے؛ یعنی الفاظ و معانی کا وہ منفرد ترکیب و اسلوب جو نہ شعر ہے نہ نثر، مگر دونوں سے بلند ہے۔ امام عبد القاہر جرجانی نے دلائل الاعجاز میں نظم کے نظریے کو باقاعدہ علم کی صورت دی۔

اعجاز کے وجوہ کو علماء نے کئی قسموں میں بیان کیا ہے۔ پہلا وجہ بلاغی اعجاز ہے جس کا ذکر اوپر ہوا۔ دوسرا وجہ تشریعی اعجاز ہے؛ قرآن نے عقیدہ، عبادت، خاندان، معیشت، قانون اور بین الاقوامی تعلقات کے ایسے جامع اور متوازن اصول دیے جو ہر دور میں قابلِ عمل رہے، اور یہ اصول ایک اُمّی پیغمبر کی زبان سے اس دور میں آئے جب دنیا ان تصورات سے ناآشنا تھی۔ تیسرا وجہ غیبی اعجاز ہے: قرآن نے مستقبل کی خبریں دیں مثلاً رومیوں کی فتح کی پیش گوئی، ابولہب کی ہلاکت اور قرآن کی حفاظت کا وعدہ، جو حرف بہ حرف پوری ہوئیں؛ ماضی کے انبیاء و اقوام کی وہ خبریں بھی دیں جن تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسائی کسی انسانی ذریعے سے ممکن نہ تھی۔ چوتھا وجہ علمی اشارات کا اعجاز ہے؛ کائنات، تخلیقِ انسان کے مراحل اور طبعی مظاہر کے بارے میں قرآنی بیانات جدید تحقیقات کے موافق نکلے، اگرچہ تاکید ضروری ہے کہ قرآن سائنس کی کتاب نہیں بلکہ اس کے یہ اشارات اس کی حقانیت کی معاون دلیل ہیں۔

اعجاز کی بحث میں "صرفہ" کے نظریے کا ذکر بھی ضروری ہے جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی قدرت و ہمت کو معارضے سے پھیر دیا تھا؛ مگر جمہور علماء کے نزدیک اعجاز قرآن کی ذات میں ہے، صرفہ میں نہیں، کیونکہ چیلنج خود کلام کی خصوصیات کی بنیاد پر دیا گیا۔ اعجاز کے اثرات بھی دور رس ہیں: اس نے عربی زبان کو محفوظ کر دیا، بلاغت و نحو جیسے علوم کو جنم دیا، اور ہر دور کے مسلمان کو اپنے دین کی سچائی کی زندہ دلیل فراہم کی۔ آج بھی دنیا کی کسی زبان میں قرآن کے ہم پلہ کلام کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکی، اور

یہی استمرار اس معجزے کو دیگر انبیاء کے وقتی معجزات سے ممتاز کرتا ہے؛ وہ معجزے اس زمانے کے دیکھنے والوں کے لیے تھے مگر قرآن قیامت تک ہر دور کے لیے زندہ معجزہ ہے۔

قرآن مجید سے ماخوذ علوم

قرآن مجید تمام اسلامی علوم کا سرچشمہ ہے۔ سب سے پہلا علم خود علمِ تفسیر ہے جو قرآن کے معانی کی وضاحت کے لیے وجود میں آیا۔ اس کے ساتھ علمِ حدیث کی تدوین کا ایک بڑا محرک قرآن کی آیات کی تشریح اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سنت سے ان کا تعلق تھا؛ حدیث قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ علمِ فقہ قرآن سے ماخوذ ہے کیونکہ نماز، زکاۃ، حج، نکاح، طلاق، میراث، خرید و فروخت اور حدود و قصاص کے بنیادی احکام قرآن ہی نے دیے، اور فقہ نے انہی کی تفصیل و تطبیق کا کام کیا۔ علمِ اصولِ فقہ بھی قرآن سے استنباط کے قواعد مرتب کرنے کے لیے پیدا ہوا۔ علمِ عقیدہ و کلام کی بنیاد بھی قرآن کی توحید، نبوت اور آخرت کی آیات ہیں، جن سے متکلمین نے انہی آیات سے دلائل کا نظام بنایا۔

زبان و ادب کے علوم بھی قرآن ہی سے ماخوذ ہیں۔ عربی نحو و صرف کی تدوین قرآن کو غلط پڑھنے سے بچانے کے لیے شروع ہوئی؛ خلیل بن احمد اور سیبویہ کی کوششیں اسی پس منظر میں ہیں۔ علمِ بلاغت کی پیدائش براہِ راست اعجازِ قرآن کی بحث سے ہوئی۔ علمِ قراءات، علمِ رسمِ مصحف، علمِ اسبابِ نزول اور علمِ ناسخ و منسوخ تو خالص قرآنی علوم ہیں جنہیں مجموعی طور پر "علومِ قرآن" کہا جاتا ہے اور امام سیوطی کی "الاتقان" ان کی جامع کتاب ہے۔ علمِ اخلاق و تصوف نے قرآن کی تزکیہ نفس کی آیات سے غذا پائی؛ غزالی نے قرآن کو تمام علوم کا سمندر قرار دیا ہے۔ تاریخ و سیرت کا علم قرآنی قصص اور اسبابِ نزول کی تحقیق سے نشو و نما پایا۔ جدید دور میں قرآنی اشارات سے علمِ فلکیات، طب اور نفسیات کے متعدد مباحث بھی منسوب کیے جاتے ہیں، مگر ان میں احتیاط ضروری ہے کہ قرآن کے قطعی بیان کو غیر قطعی نظریات سے نہ باندھا جائے۔

- دینی علوم: تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، عقائد و کلام، اخلاق و تزکیہ۔
- قرآنی علوم: قراءات، رسمِ مصحف، اسبابِ نزول، ناسخ و منسوخ، مکی و مدنی، اعجاز۔
- لسانی علوم: نحو، صرف، لغت اور بلاغت۔

- تاریخی علوم: سیرت، مغازی اور اقوامِ سابقہ کی تاریخ۔
- محرکِ علوم: فلکیات، طب، نفسیات وغیرہ کے مباحث کے لیے قرآنی اشارات بطور محرک و رہنما۔

ان علوم کی قرآن سے نسبت محض تاریخی نہیں بلکہ استدلالی ہے۔ ہر اسلامی علم اپنی حجیت قرآن ہی سے لیتا ہے؛ سنت قرآن کی شرح، فقہ قرآن کی تطبیق اور کلام قرآن کا دفاع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی علم میں قرآن سے ربط کمزور ہوا تو وہ علم اپنی روح کھو بیٹھا۔ امام شافعی کا قول مشہور ہے کہ امت کو پیش آنے والے ہر مسئلے کی دلیل قرآن میں اصولی طور پر موجود ہے۔ لہٰذا قرآن کو ان علوم کا ماخذ کہنا دراصل یہ کہنا ہے کہ پوری اسلامی تہذیب و علم کی پوری عمارت اسی ایک کتاب پر کھڑی ہے۔

حاصلِ کلام

خلاصہ یہ کہ اعجازِ قرآن اس کتاب کا زندہ اور دائمی معجزہ ہے جس کے وجوہ بلاغت و نظم، تشریعی کمال، غیبی خبریں اور علمی اشارات ہیں، اور جس کا چیلنج چودہ صدیوں سے جواب کا منتظر ہے۔ اسی قرآن سے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، عقائد، اخلاق، قراءات، نحو و بلاغت اور تاریخ سمیت تمام اسلامی و لسانی علوم ماخوذ ہیں۔ ان دونوں مباحث کا باہمی تعلق گہرا ہے: اعجاز نے علوم کو جنم دیا اور علوم نے اعجاز کی وضاحت و حفاظت کی۔ طالب علم کے لیے سبق یہ ہے کہ قرآن کو محض تلاوت کی کتاب نہ سمجھا جائے؛ یہ ہدایت بھی ہے، معجزہ بھی اور پوری علمی روایت کا چشمہ بھی، اور اس سے جتنا گہرا تعلق ہو گا اتنا ہی اس کے فیوض و برکات حاصل ہوں گے۔